5175CH06

باب : 6
عدلیہ

© NCERT not to be republished

تمہید

اکثرعدالتوں کو اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ افراد یا نجی فریقین کے مابین تنازعات یا جھگڑوں کو حل کرتی ہیں۔لیکن عدلیہ بعض سیاسی کام بھی انجام دیتی ہے۔ عدلیہ حکومت کاایک عضو ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ سپریم کورٹ دنیا کی طاقت ور ترین عدالتوں میں سے ایک ہے۔ 1951سے آج تک آئین ہند کی تشریح اور تحفظ میں سپریم کورٹ نے نہایت اہم کردار نبھایا ہے۔اس باب میں ہم عدلیہ کی اہمیت اور کردار کے متعلق پڑھیں گے۔ بنیادی حقوق کے باب میں ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ ہمارے حقوق کی حفاظت میں عدلیہ کا اہم کردار ہے۔اس باب میں ہمیں علم ہوگا کہ عدلیہ نے ہمارے حقوق کے تحفظ کے لیے کیا کیا ہے۔

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ یہ سمجھنے کے قابل ہوں گے :

- عدلیہ کی آزادی کے معنی
- ہمارے حقوق کے تحفظ میں ہندوستانی عدلیہ کا کردار
- آئین کی تشریح میں عدلیہ کا کردار اور
- عدلیہ اور پارلیمنٹ کے درمیان رشتہ

ہمیں ایک آزاد عدلیہ کی ضرورت کیوں ہے؟

کسی بھی معاشرہ میں افراد کے درمیان، گروہوں کے درمیان، فرد اور حکومت کے درمیان اور گروہ اور حکومت کے درمیان تنازعات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے معاملات کو سلجھانے کے لیے ایک آزاد ادارہ قانون کے مطابق کام کرتا ہے۔ قانون کی حکمرانی اور بالادستی کے اس تصور کے معنی ہیں کہ تمام افراد امیر و غریب، مرد یا عورت ذہنی طور پر ترقی یافتہ یا پس ماندہ۔۔ سب پر ایک ہی قانون نافذ ہوتا ہے۔ عدلیہ کا ایک مخصوص کردار ہوتا ہے۔ قانون کی حکمرانی قائم رکھنا اور قانون کی بالادستی کی یقین دہانی یہ افراد کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے، قانون کی روشنی میں تنازعات حل کرتی ہے اور اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ جمہوریت کسی فرد یا جماعت کو مطلق العنانیت عطا نہیں کرسکتی۔ ایسا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عدلیہ ہر سیاسی دباؤ سے آزاد رہے۔

آزاد عدلیہ سے کیا مراد ہے؟ اس آزادی کو کیسے یقینی بنایا جاتا ہے؟

ایک کارٹون پڑھئے

بطور ایک ممتاز وکیل آپ کو معلوم ہونا چاہئے، کہ آپ کا ایکشن مترادف ہے، انڈر سیکشن B، سب سیکشن G-VI X، حالانکہ اس سے (B) XI (A) .I.P.C، کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

R K Laxman in The Times of India.

نو فسٹیکفس پلیز، یہ قانون کا اصول ہے!

عدلیہ کی آزادی

آسان الفاظ میں عدلیہ کی آزادی کے معنی ہیں:

- عدلیہ کے کام میں حکومت کے دوسرے اعضا – عاملہ اور مجلسِ قانون ساز کوئی رُکاوٹ ایسی نہ ڈالیں کہ عدلیہ انصاف قائم نہ کرسکے۔
- حکومت کے دوسرے اعضا کو عدلیہ کے فیصلوں میں دخل اندازی کا اختیار نہیں۔
- جج بغیر کسی خوف یا حمایت کے اپنا کام کرنے کے اہل ہوں۔

© NCERT not to be republished

عدلیہ کی آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جواب دہی یا خود مختاری نہیں ہوگی۔ عدلیہ ملک کے جمہوری ڈھانچہ کا ایک حصّہ ہے۔ لہٰذا یہ آئین جمہوری اقدار اور ملک کے عوام کے تئیں جواب دہ ہے۔ عدلیہ کی آزادی کیسے مہیا کی جاتی ہے اور اس کا تحفظ کیسے ہوتا ہے؟

مجھے ماچل کا کیس یاد ہے جس کا ذکر باب 2 میں ہوا تھا۔ کیا کسی نے نہیں کہا : "انصاف میں تاخیر یعنی انصاف سے انکار"۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ کرنا چاہیے۔

آئین ہند نے کئی طریقوں سے عدلیہ کی آزادی کا تحفظ کیا ہے ججوں کے تقرر میں مجلسِ قانون ساز کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ یقین کیا گیا کہ تقرری کے معاملہ میں جماعتی سیاست کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ ایک جج کی حیثیت سے تقرری کے لیے ایک شخص کو وکالت کا تجربہ ہونا چاہئے قانون سے اچھی واقفیت ہونی چاہیے۔ اس شخص کی سیاسی رائے یا کسی سیاسی جماعت سے وفاداری کو عدلیہ کے لیے تقرری کی کسوٹی نہیں مانا جاسکتا۔

ججوں کی ایک مقررہ میعاد ہوتی ہے۔ وہ ریٹائرمنٹ کی عمر تک اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے۔ صرف غیر معمولی معاملات میں، ججوں کو یا کسی ایک جج کو برخاست کیا جاسکتا ہے ورنہ ان کی میعاد طے شدہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریاں بغیر کسی خوف یا حمایت کے، انجام دے سکتے ہیں۔ ججوں کو برخاست کرنے کا آئین نے ایک مشکل عمل تجویز کیا ہے۔ آئین سازوں کو یقین تھا کہ برخاستگی کا مشکل طریقہ، عدلیہ کے ممبران کے عہدہ کی حفاظت کر سکے گا۔

مالیاتی طور پر عدلیہ نہ تو انتظامیہ پر منحصر ہے اور نہ ہی مجلس قانون ساز پر۔ آئین کی رو سے ججوں کی تنخواہوں اور بھتوں کے لیے مجلس قانون ساز کی منظوری ضروری نہیں۔ ججوں کے عمل اور فیصلے ذاتی تنقید سے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔ پارلیمنٹ ججوں کے طریقہ کار پر بحث نہیں کر سکتی۔ سوائے اس حالت میں جب کہ کسی جج پر مقدمہ چلایا جارہا ہو۔ گویا تنقید کے خوف سے آزاد عدلیہ کی فیصلہ سازی کو تحفظ دیا گیا ہے۔

سر گرمی

درج ذیل موضوع پر اپنی کلاس میں بحث کیجیے:

آپ کے خیال میں اپنا فیصلہ سناتے وقت، ججوں پر کون بندش لگاتا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ صحیح ہے:

- آئین ہند
- ماقبل فیصلے
- دوسری عدالتوں کی رائے

© NCERT not to be republished

- رائے عامہ
- میڈیا
- قانون کی روایات
- قوانین
- وقت اور انتظامیہ کی پابندیاں
- عوامی تنقید کا خوف
- انتظامیہ کے الیکشن کا خوف

ججوں کا تقرر

ججوں کا تقرر سیاسی تنازعوں سے کبھی پاک نہیں رہا۔ یہ سیاسی عمل کا ایک حصہ ہے۔ فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ کون سپریم کورٹ کا جج ہے اور کون ہائی کورٹ میں کام کرتا ہے۔ یہ فرق ہے اس بات میں کہ آئین کی تشریح کیسے ہوتی ہے۔ ججوں کے سیاسی نظریات، ان کے کام، عدلیہ سے الگ رہ کر ان کے خیالات، باضابطہ اور سنجیدگی سے متعلق ان کی سوچ وغیرہ۔ ان کے خیالات کا اثر قانون کے نفاذ کا مستقبل طے کرتا ہے۔ وزراء کی کونسل، گورنر اور وزرائے اعلیٰ اور ہندوستان کے چیف جسٹس–عدالتی تقرریوں پر ان سب کا اثر پڑتا ہے۔

جہاں تک ہندوستان کے چیف جسٹس کی تقرری کا تعلق ہے اب تک یہ روایت بن چکی ہے کہ سپریم کورٹ کے سب سے سینیر (Senior) جج کو یہ عہدہ حاصل ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہ روایت بھی دو دفعہ توڑی جا چکی ہے پہلی بار 1973ء میں تین ججوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اے۔ این رے کا تقرر کیا گیا۔ دوسری بار جسٹس ایچ۔ آر۔ کھنہ کو نظرانداز کرتے ہوئے ایم۔ ایچ بیگ کا تقرر کیا گیا (1975 میں)۔

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے دوسرے ججوں کا تقرر، چیف جسٹس (CJI) سے مشورہ کے بعد صدر جمہوریہ کرتا ہے۔ حقیقت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ تقرری کے معاملات

میں بہت الجھن میں ہوں۔ جمہوریت میں آپ وزیراعظم، حتیٰ کہ صدر جمہوریہ پر بھی تنقید کرسکتے ہیں لیکن ججوں پر نہیں، اور یہ توہین عدالت کیا ہے؟ میں اگر ایسے معاملات پر سوال کرتا ہوں تو کیا میں توہین عدالت کا مرتکب ہوتا ہوں؟

© NCERT not to be republished

میں آخری فیصلہ وزراء کی کونسل کرتی ہے، پھر چیف جسٹس سے مشورہ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟

1982 اور 1975 کے درمیان یہ معاملہ بار بار سپریم کورٹ کے سامنے آیا۔ ابتداءً عدالت نے محسوس کیا کہ چیف جسٹس کا رول محض مشاورتی ہے۔ پھر عدالت نے یہ رائے قائم کی کہ صدر کو چیف جسٹس کا مشورہ تسلیم کرنا چاہیے۔ بالآخر سپریم کورٹ نے ایک نیا اور انوکھا طریقہ طے کیا: اس نے تجویز کیا کہ سپریم کورٹ کے چار سینیر ججوں کے مشورہ سے چیف جسٹس ان اشخاص کے نام تجویز کرے گا جن کا تقرر ہوسکتا ہے۔ اس طرح سپریم کورٹ نے کولیجیم کا اصول اختیار کیا اور قائم کیا تاکہ تقرری کے لیے نام تجویز کئے جاسکیں۔ ایسے موقع پر سپریم کورٹ کے چار سینیر ججوں کا فیصلہ باوزن ہوتا ہے۔ لہٰذا عدلیہ کے تقرری معاملات میں سپریم کورٹ اور وزرا کی کونسل اہم رول ادا کرتے ہیں۔

لیکن میرا خیال ھے کہ وزراء کی کونسل کو ججوں کی تقرری کرنے میں زیادہ اختیار ھونا چاھئے۔کیا عدلیہ ایک خود مختار ادارہ ھے؟

ججوں کی برطرفی

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی برطرفی بھی بہت مشکل کام ہے۔ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے کسی جج کو، صرف ثابت کردہ غیر مناسب برتاؤ یا نااہلیت کی بنا پر برطرف کیا جاسکتا ہے۔ کسی ایسے جج کے خلاف الزامات پر مبنی تحریک کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی مخصوص اکثریت کی حمایت حاصل ہونی ضروری ہے۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ "مخصوص اکثریت" کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق ہم انتخابات کے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ اس طریقۂ کار سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کسی جج کی برطرفی ایک مشکل مرحلہ ہے اور جب تک ممبرانِ پارلیمنٹ کے مابین اتفاقِ رائے نہ ہو، کسی جج کو برطرف نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ تقرری کے معاملات میں مجلس عاملہ اہم رول ادا کرتی ہے لیکن برطرفی کے معاملات میں مجلس قانون ساز۔ اسی وجہ سے عدلیہ کی آزادی اور اختیارات کے درمیان توازن قائم کیا گیا ہے۔ اب تک پارلیمنٹ کے سامنے صرف ایک جج کو برطرف کرنے کی تحریک رکھی گئی ہے۔ حالانکہ اس معاملہ میں تحریک کو، دو تہائی اکثریت کی حمایت حاصل رہی لیکن پوری پارلیمنٹ کی حمایت حاصل نہ ہوسکی چنانچہ اس جج کو عہدہ سے برطرف نہیں کیا جاسکا۔

© NCERT not to be republished

ایک جج کا ناکام مواخذہ

1991 میں پہلی بار مواخذہ کی تحریک سپریم کورٹ کے ایک جج جسٹس راماسوامی کے خلاف پارلیمنٹ کے 108 ممبران کے دستخط سے اس وقت پیش کی گئی جب پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے سرکاری رقم میں خُرد برد کا ان پر الزام لگایا گیا۔

1992ء میں پارلیمنٹ کے ذریعہ مواخذہ کی کارروائی شروع کرنے کے ایک سال بعد ایک اعلیٰ سطحی کمیشن نے جس میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بھی شامل تھے جسٹس راماسوامی پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے بحیثیت چیف جسٹس، ہائی کورٹ پنجاب و ہریانہ ''اپنے عہدہ کا جان بوجھ کر غلط استعمال کیا۔۔۔۔۔۔اخلاقی بدنیتی کا ثبوت دیا اپنے ذاتی مقاصد کے لیے عوام کے پیسہ کو خرچ کیا اور قانون کی شدید خلاف ورزی کی''۔ اس سخت قرار دادِ جرم کے باوجود راماسوامی پارلیمانی کارروائی اور مواخذہ سے بچ گئے۔ ووٹنگ کے وقت حاضر کل ممبران کی دوتہائی اکثریت اس تحریکِ مواخذہ کو حاصل تو ہوئی لیکن ووٹنگ سے کانگریس غیر حاضر رہی۔ چنانچہ ایوان کی کل ممبرشپ کے نصف حصہ کی حمایت نہ مل سکی۔

اپنی معلومات چیک کیجیے

- عدلیہ کی آزادی اہم کیوں ہے؟
- آپ کے خیال میں کیا عاملہ کو ججوں کے تقرر کا اختیار حاصل ہونا چاہیے؟
- ججوں کے تقرر کا طریقہ بدلنے کے لیے اگر آپ سے تجویز طلب کی جائے تو آپ کیا تجویز پیش کریں گے؟

عدلیہ کا ڈھانچہ

آئینِ ہند ایک واحد اور متحد عدالتی نظام مہیا کرتا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے وفاقی

نظاموں کے برخلاف ہندوستانی ریاستوں کی علاحدہ عدالتیں نہیں ہیں۔ ہندوستان میں عدلیہ کا ڈھانچہ اہرام نما ہے جس کے سب سے اوپر سپریم کورٹ، اس کے نیچے ہائی کورٹ، ضلع عدالتیں اور نچلی سطح کی عدالتیں (نقشہ دیکھئے) ہیں۔ زیریں عدالتیں براہِ راست عدالتِ عالیہ کے ماتحت کام کرتی ہیں۔

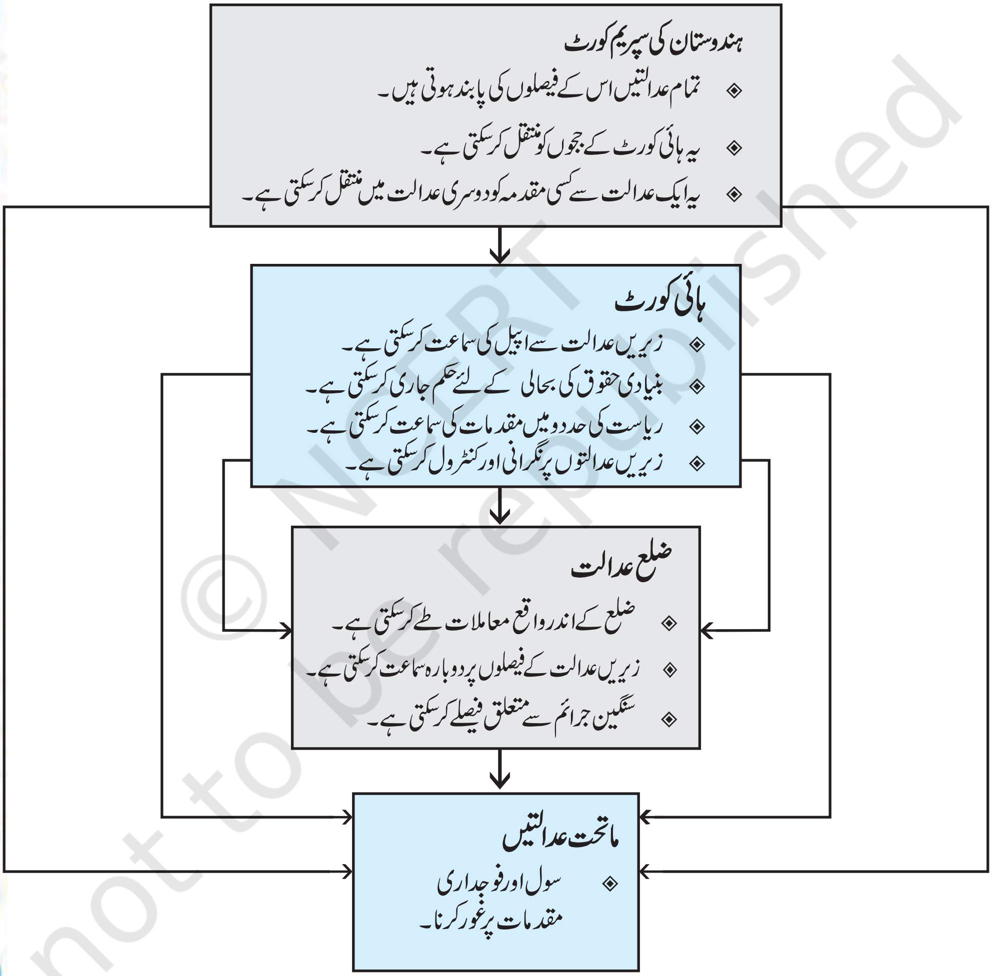

© NCERT not to be republished

سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار

ہندوستان کی سپریم کورٹ، دنیا کی مضبوط ترین عدالتوں میں سے ایک ہے۔ لیکن آئین نے اس کے اختیارات اور فرائض کی حدود بھی طے کردی ہیں۔ سپریم کورٹ کے کام اور ذمہ داریوں کو آئین نے بالکل واضح کر دیا ہے۔ اس کا مخصوص دائرہ اختیار ہے:

© NCERT not to be republished

ابتدائی دائرۂ اختیار[1]

ابتدائی دائرۂ اختیار کے معنی ہیں: زیریں عدالت میں معاملات کو پیش کیے بغیر براہ راست سپریم کورٹ میں زیر غور لایا جاسکتا ہے۔ مندرجہ بالا نقشہ پر آپ نے غور کیا ہوگا کہ وفاقی رشتوں سے متعلق معاملات براہ راست سپریم کورٹ میں جاتے ہیں۔ سپریم کورٹ کا ابتدائی دائرۂ اختیار اس کو تمام وفاقی معاملات میں امپائر کی حیثیت عطا کرتا ہے۔ کسی بھی وفاقی ملک میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان، قانونی تنازعات پیدا ہوتے ہی ہیں۔ ایسا ریاستوں کے درمیان بھی ہوتا ہے۔ اس قسم کے معاملات طے کرنے کی ذمہ داری سپریم کورٹ کو دی گئی ہے۔ یہی ابتدائی دائرۂ اختیار کہلاتا ہے، کیوں کہ اس نوعیت کے معاملات پر صرف سپریم کورٹ اختیار رکھتی ہے نہ کہ ہائی کورٹ یا زیریں عدالتیں۔ اس حیثیت سے سپریم کورٹ نہ صرف تنازعات حل کرتی ہے بلکہ آئین میں درج یونین اور ریاستوں کے اختیارات کی تشریح بھی کرتی ہے۔

حکم کا دائرۂ اختیار[2]

جیسا کہ ہم بنیادی حقوق کے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی فرد جس کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہو براہ راست اپنے حقوق کی بحالی کے لیے سپریم کورٹ سے رجوع کرسکتا ہے۔ ایسے معاملات میں سپریم کورٹ خصوصی احکامات عدالتی حکم ناموں (WRITS) کی شکل میں جاری کرسکتی ہے۔ ہائی کورٹ بھی ایسے حکم نامے جاری کرسکتے ہیں لیکن جس شخص کے حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے سپریم کورٹ سے رجوع کرے یا ہائی کورٹ سے۔ ایسے حکم ناموں کے ذریعہ عدالت عاملہ کو کسی مخصوص طریقہ سے کام کرنے کا حکم بھی جاری کرسکتی ہے۔

سماعتی دائرۂ اختیار[3]

سپریم کورٹ اپیل کی اعلیٰ ترین عدالت ہے۔ ہائی کورٹ کے فیصلوں کے خلاف کوئی بھی شخص سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی معقول وجہ نہ ہو تو ایسی اپیلوں کی شکل میں عدالت پر کام کا بوجھ بلا وجہ بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا زیریں عدالتوں اور ہائی کورٹ کے فیصلوں کے خلاف اپیل کرنے کے حق کو کچھ شرائط کا پابند کردیا گیا ہے۔ ہائی کورٹ کو اس بات کی تصدیق کرنا ہوگی کہ کیا یہ کیس اپیل کرنے کے لائق ہے۔ یعنی اس میں قانون یا آئین کی تشریح کا سنجیدہ معاملہ الجھا ہوا ہے۔

1۔ ابتدائی دائرۂ اختیار (Original Jurisdiction)

2۔ حکم کا دائرۂ اختیار (Writ Jurisdiction)

3۔ سماعتی دائرۂ اختیار (Appellate)

© NCERT not to be republished

مزید یہ کہ فوجداری معاملات میں اگر کسی شخص کو زیریں عدالت موت کی سزا دیتی ہے تو اس کے خلاف ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جاسکتی ہے۔ اگر ہائی کورٹ نے اپیل کی اجازت نہیں دی تو سپریم کورٹ کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ اپیل کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ سماعتی دائرہ اختیار کے معنی ہیں کہ سپریم کورٹ اس معاملہ پر نظر ثانی کرے گی، اس کے قانونی پہلوؤں پر غور کرے گی۔ عدالت کے خیال میں اگر اس مخصوص معاملہ میں زیریں عدالت نے قانون اور آئین کو جس معنی میں لیا وہ اس کے اپنے معنی سے مختلف ہے تو سپریم کورٹ فیصلہ بدل دے گا اور متعلقہ آئینی دفعہ یا قانون کی نئی تشریح پیش کرے گی۔

سپریم کورٹ کی طرز پر، ہائی کورٹ کو بھی سماعتی اختیارات ہیں۔

مشاورتی دائرۂ اختیار [4]

ابتدائی اور اپیل کے دائرۂ اختیارات کے ساتھ ساتھ، سپریم کورٹ ہند کو مشاورتی اختیارات بھی حاصل ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریہ ہند، عوام کی اہمیت کا کوئی بھی معاملہ یا آئین کی تشریح کا معاملہ، مشورہ کے لئے سپریم کورٹ کو بھیج دیتا ہے۔ لیکن ایسے معاملات میں، سپریم کورٹ مشورہ دینے کا پابند نہیں ہے۔ اگر مشورہ دیتا ہے تو صدر جمہوریہ بھی اس کو ماننے کا پابند نہیں ہے۔

کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہے کہ مشورہ دینا اختیاری ہے اور اس کو قبول کرنا بھی اختیاری؛ میرا خیال تھا کہ عدالت کے فیصلے کی پابندی کرنا ہوتی ہے!

پھر، سپریم کورٹ کے اس مشاورتی کردار کا کیا فائدہ؟ اس کے اور دوسرے فائدے ہیں۔ پہلا اس سے قبل کہ حکومت کوئی قدم اٹھائے خاص طور سے کسی عوامی اہمیت کے معاملہ میں وہ قانونی مشورہ مانگ سکتا ہے تاکہ بعد کی غیر ضروری مقدمہ بازی سے خود کو محفوظ رکھا جا سکے۔ دوسرے سپریم کورٹ کے مشورہ کی روشنی میں حکومت اپنے عمل یا قانون سازی میں مناسب تبدیلیاں کرسکتی ہیں۔

دفعہ 137 ''سپریم کورٹ اپنے دیے ہوئے فیصلے یا حکم پر نظر ثانی کا اختیار رکھتا ہے۔''

دفعہ 144: ''ہندوستانی علاقے میں تمام سول اور عدلیہ سے متعلق افسران سپریم کورٹ کی ہدایت کے مطابق کام کریں گے۔''

© NCERT not to be republished

مندرجہ بالا دفعات پڑھیے یہ دفعات ہماری عدلیہ کی مشترکہ اور یکساں نوعیت اور سپریم کورٹ کے اختیارات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ سپریم کورٹ کے فیصلے ہندوستان کے ہر علاقہ میں تمام حکام پر عائد ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعہ جاری کردہ احکامات ہندوستان کے طول وعرض میں قابل نفاذ ہوتے ہیں۔ خود سپریم کورٹ اپنے فیصلوں کی پابند نہیں ہے اور کسی بھی وقت ان پر نظر ثانی کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر سپریم کورٹ کے کسی فیصلہ کی حکم عدولی ہوتی ہے، تو ایسا معاملہ بھی وہ خود ہی طے کرتا ہے۔

سپریم کورٹ کو اپنے ھی فیصلوں کو بدلنے کی اجازت کیوں دی گئی ھے؟ کیا یہ اس وجہ سے ھے کہ عدالتیں بھی غلطی کرسکتی ھیں؟ کیا ایسا ممکن ھے کہ ایك ھی جج وہ نظر ثانی کرنے والی بینچ میں شامل ھو جس نے پہلے والا فیصلہ دیا تھا؟

اپنی معلومات چیک کیجیے

درج ذیل بیانات کو ایک دوسرے سے صحیح طریقہ سے ملائیے:

ریاست بہار اور مرکزی حکومت کے درمیان تنازعہ سنوائی کے لیے جائے گا۔	ہائی کورٹ
ہریانہ کی ضلع عدالت سے اپیل جائے گی۔	مشاورتی دائرۂ اختیار
واحد اور متحدہ عدلیہ۔	واحد آئین
کسی قانون کو غیر آئینی قرار دینا	ابتدائی دائرۂ اختیار

عدالتی مستعدی

کیا آپ نے یہ لفظ سنا؟ یا مفادِ عامہ کا مقدمہ کے بارے میں سنا ہے؟ آج کے دور میں عدلیہ سے متعلق بحث میں اکثر ان الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ان دو الفاظ نے عدالت کے کام کاج میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ عدالت کو عوام کا دوست بنا دیا ہے۔

ہندوستان میں عدالتی مستعدی کو جس چیز نے فروغ عطا کیا، وہ ہے مفادِ عامہ کا مقدمہ (PIL) یا "سماجی چارہ جوئی کا مقدمہ" (SAL) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ PIL اور SAL کیا ہیں؟ یہ کب اور کہاں سے پیدا ہوئے؟ عام طور پر قانون کا جو طریقۂ عمل رائج ہے وہ یہ ہے کہ

© NCERT not to be republished

کوئی شخص تب ہی عدالت سے رجوع کرتا ہے جب اس کو ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی شخص کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا خود کسی تنازعہ میں پھنس جاتا ہے،تو عدالت کا رُخ کرتا ہے

Irfan

ایک کارٹون پڑھیے

کیا آپ جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں عدالت نے بندھ اور ہڑتالوں کو غیر قانونی قرار دیا ہے؟

1979 کے قریب یہ نظریہ قطعی بدل گیا۔1979 میں عدالت نے یہ اظہار خیال کیا کہ جب کچھ متاثرہ لوگوں کی طرف سے دوسرے لوگوں نے محض اس لیے مقدمہ دائر کیا ہو کہ اس میں مفاد عامہ شامل تھا تو یہ اور اسی طرح کے دوسرے معاملات مفادِ عامہ کے مقدمے کہلائے۔اسی دوران سپریم کورٹ نے ،قیدیوں کے حقوق کا مسئلہ بھی اٹھایا اور ایسے بے شمار معاملات کے لیے دروازہ کھول دیا جہاں عوام کی خدمت کے خواہش مند شہریوں اور رضا کارانہ تنظیموں نے عدالتی مداخلت پر زور دیا۔اس وقت حاصل حقوق کی حفاظت،غربا کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے،ماحولیات کی حفاظت اور ایسے ہی بہت سے مفادِ عامہ کے معاملات سے متعلق مقدمے (PILs) اب عدالتی مستعدی کا سب سے زیادہ اہم ذریعۂ اظہار بن چکے ہیں۔

© NCERT not to be republished

اب سے پہلے عدالیہ کا دائرہ صرف دستوری معاملات تک محدود تھا جو اس کے روبرو لائے جاتے تھے۔اب اس نے ایسے معاملات بھی سماعت کے لیے قبول کرنا شروع کر دیے ہیں جن کی بنیاد اخبارات کی رپورٹ اور ڈاک کے ذریعہ ملنے والے شکایتی خطوط پر تھی۔لہٰذا عدالتی مستعدی(PIL) لفظ بے حد مقبول عام ہو گیا اور عدلیہ کا کردار زیادہ واضح کرنے لگا۔

میں نے کسی کو کہتے سنا ہے کہ PIL کے معنی ہیں : ذاتی مفاد کا مقدمہ۔ وہ ایسا کیسے ہو گا؟

مفادِ عامہ کے کچھ ابتدائی مقدمے

- 1979 میں بعض اخبارات نے زیرِ سماعت قیدیوں کے متعلق رپورٹ شائع کی۔ بہار میں ایسے بہت سے قیدی تھے جو بہت لمبے عرصہ سے جیلوں میں بند تھے۔جس الزام کی بنا پر انہیں گرفتار کیا گیا اس کی سزا جتنی ہوتی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک وہ بدستور قید میں رکھے گئے تھے۔اس رپورٹ نے ایک وکیل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہاں قیدیوں کی طرف سے عدالت میں اپیل دائر کرے۔سپریم کورٹ نے اس مقدمہ کی سماعت منظور کی۔یہ معاملہ PIL کا اولین معاملہ کے طور پر مشہور ہو گیا۔یہ ''حسین آرا بخلاف بہار حکومت'' مقدمہ تھا۔
- 1980 میں تہاڑ جیل کا ایک قیدی پھٹے پرانے کاغذ کے ٹکڑے پر ایک خط سپریم کورٹ کے جج کرشنا ایّر کو پہنچانے میں کامیاب ہو گیا جس میں قید کے دوران قیدیوں پر ہونے والے جسمانی مظالم کا ذکر کیا گیا تھا۔جج نے اس خط کو اپیل کی شکل میں سماعت کے لیے قبول کیا اور اپیل میں تبدیل کر دیا۔حالاں کہ بعد میں خطوط پر غور کرنے کا طریقہ ترک کر دیا گیا۔یہ معاملہ سنیل بترہ بنام دہلی انتظامیہ (1980) تھا اور PIL کے ابتدائی معاملوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

مفادِ عامہ کے مقدمات کے ذریعہ عدالت نے حقوق کا تصور وسیع تر کر دیا ہے۔صاف ہوا، غیر آلودہ پانی، مناسب معیارِ زندگی وغیرہ اب پورے معاشرہ کے حقوق بن چکے ہیں۔لہٰذا عدالتوں نے یہ محسوس کیا کہ جہاں کہیں بھی ان حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔معاشرہ کی جانب سے افراد کو انصاف حاصل کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

© NCERT not to be republished

دوسری بات یہ کہ مفاد عامہ کے مقدمات اور عدالتی مستعدی کے ذریعہ 1980 کے بعد عدالت نے ایسے معاملات میں دلچسپی دکھائی جہاں اپیل کنندگان آسانی سے عدالتوں سے رجوع نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے لیے عدالت نے عوامی خدمت کا جذبہ رکھنے والے شہریوں، سماجی تنظیموں اور وکیلوں کو اجازت دی کہ وہ ضرورت مند اور محروم لوگوں کی جانب سے مقدمات دائر کر سکیں۔

''یہاں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ غریبوں کے مسائل کی نوعیت ان لوگوں کے مسائل کی نوعیت سے الگ ہے جو پہلے ہی عدالت کی توجہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ان کو ایک مختلف قسم کی توجہ کی ضرورت ہے اگر ہم آنکھ بند کر کے ایک ناموافق طریقۂ کار اپناتے ہیں تو وہ کبھی اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکیں گے۔''

(جسٹس بھگوتی: بندھوا مکتی مورچہ بنام حکومت ہند کیس، 1984)

سرگرمی

کم از کم کسی ایک مفادِ عامہ کے مقدمہ (PIL) کی تفصیلات معلوم کیجیے اور مطالعہ کیجئے: اس کیس نے کس طرح مفاد عامہ کا مقصد حاصل کیا۔

سیاسی نظام پر عدالتی مستعدی کے خوش آئند اثرات ہوئے ہیں۔ صرف افراد ہی نہیں بلکہ گروہوں کو بھی عدالت تک رسائی کا حق دے کر اِس نے عدالتی نظام کو زیادہ جمہوری اور عاملہ کو جواب دہ بنا دیا ہے۔ اِس نے انتخابی عمل کو زیادہ آزادانہ اور منصفانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ عدالت نے انتخابی امیدواروں کو حلف نامہ جمع کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنی اِملاک اور آمدنی کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیمی قابلیت بھی ظاہر کر سکیں اور عوام اِن معلومات کی بنا پر ہی ان کا انتخاب کریں۔

بڑی تعداد میں موصول مفادِ عامہ کی اپیلوں اور عدالتی مستعدی کا ایک منفی پہلو بھی

میرے خیال میں عدالتی مستعدی کے معنی یہ ہیں کہ مجلس قانون ساز اور عاملہ کو یہ بتانا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر مجلس قانون ساز اور عاملہ، انصاف دینا شروع کردیں تو کیا ہو گا؟

© NCERT not to be republished

ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے عدالتوں کا بوجھ بڑھا دیا ہے دوسرے، عدالتی مستعدی نے عاملہ اور قانون ساز مجلس کے درمیان فرق کو ختم کر دیا ہے۔ دوسری طرف عدلیہ اس کام میں اضافی طور پر مشغول ہوگئی ہے مثلاً عاملہ سے متعلق معاملات کو طے کرنے جیسے، فضائی یا صوتی آلودگی کو کم کرنا، رشوت خوری کے معاملات کی تحقیق کرنا یا انتخابی اصلاحات لانا وغیرہ میں۔ یہ عدلیہ کی ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ یہ معاملات مجلس قانون ساز کی نگرانی میں عاملہ انجام دیتی ہے اور اس کو ہی انجام دینے چاہئیں۔ لہٰذا بعض لوگ محسوس کرتے ہیں کہ عدالتی مستعدی نے حکومت کے تینوں بازوؤں کے درمیان توازن کو بہت نازک بنا دیا ہے۔ جب کہ جمہوری حکومت کا انحصار اس بات پر ہے کہ حکومت کا ہر بازو دوسرے بازو کے اختیارات کا احترام کرے۔ عدالتی مستعدی نے اس جمہوری اصول کو تنازعات سے دوچار کر دیا ہے۔

آپ جج ہیں

کسی شہر سے تعلق رکھنے والے کچھ شہریوں نے عدالت سے رجوع کیا ہے کہ وہ شہر کی میونسپل حکام کو ہدایت دیں: کہ وہ شہر سے جھگی جھونپڑی بستیوں کو ہٹانے اور شہر کو خوبصورت بنانے کے لیے کام کریں تاکہ روپیہ لگانے والوں کو شہر کی طرف متوجہ کیا جا سکے۔ ان کی دلیل ہے کہ یہ مفاد عامہ کے حق میں ہے۔ ان جھگی بستیوں کے باشندوں کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے سے ان کا حق زندگی ختم ہو جائے گا۔ ان کی دلیل ہے کہ مفاد عامہ کے نظریہ میں زندگی کا حق مرکزی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ شہر کی صفائی۔

عدلیہ اور حقوق

ہم پہلے ہی سمجھ چکے ہیں کہ افراد کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری عدلیہ کے سپرد کی گئی ہے۔ ہمارا آئین دو طریقے تجویز کرتا ہے جن کے ذریعہ سپریم کورٹ حقوق کی خلاف ورزی کا حل نکال سکتا ہے۔

اولاً پروانۂ حاضری ملزم (1)، عدالت عالیہ کا ماتحت عدالت کو حکم نامہ (2) وغیرہ جاری کر کے سپریم کورٹ بنیادی حقوق کو بحال کر سکتا ہے (دفعہ 132) ہائی کورٹس کو بھی اس طرح کے حکم نامے جاری کرنے کے اختیار حاصل ہیں (دفعہ 226)۔

دوئم سپریم کورٹ کسی قانون کو غیر قانونی قرار دے سکتا ہے اور اس کو غیر عملی بنا سکتا ہے۔ مجموعی طور پر آئین کی یہ دونوں دفعات ایک طرف سپریم کورٹ کو شہریوں کے بنیادی حقوق کا محافظ بناتی ہیں تو دوسری جانب آئین کا شارح۔ ان میں سے دوسرا طریقہ آئینی نظرثانی پر مشتمل ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ کے اختیارات میں سب سے اہم اختیار شاید آئینی نظرثانی کا اختیار ہے۔ اس کے معنی ہیں

© NCERT not to be republished

کہ یہ سپریم کورٹ کا وہ اختیار ہے جو کسی بھی قانون کی آئینی حقیقت کی جانچ کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ کیا یہ قانون آئین کی دفعات کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ آئینی نظرِ ثانی کا لفظ خود آئین میں کہیں نہیں ہے۔ پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کا ایک تحریری آئین ہے۔ اور سپریم کورٹ ایسے کسی بھی قانون کو ردّ کر سکتا ہے جو بنیادی حقوق کے خلاف ہے اور یہی سپریم کورٹ کو آئینی نظرِ ثانی کا اختیار دیتا ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے سپریم کورٹ کے دائرۂ اختیار سے متعلق پڑھا وفاقی رشتوں کے معاملات میں بھی سپریم کورٹ نظرِ ثانی کے اختیار کا استعمال کر سکتا ہے۔ فرض کیجیے۔ مرکزی حکومت کوئی قانون بناتی ہے جو بعض ریاستوں کی نظر میں ریاستی فہرست میں شامل موضوعات سے متعلق ہے تو ایسے حالات میں وہ ریاست یا ریاستیں سپریم کورٹ سے رجوع کر سکتی ہیں۔ اگر سپریم کورٹ ان کے نظریہ سے اتفاق کرتا ہے تو اُس قانون کو غیر آئینی قرار دیا جا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر سپریم کورٹ کے رِٹ اور نظرِ ثانی کے اختیارات عدلیہ کو بہت با اختیار بناتے ہیں۔ خاص طور پر نظرِ ثانی کے اختیار کے معنی ہیں: عدلیہ آئین کی اور مجلسِ قانون ساز کے ذریعہ منظور کردہ قوانین کی تشریح کر سکتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پہلو دراصل عدلیہ کو آئین کا ایک موثر محافظ بناتا ہے اور شہریوں کے حقوق کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ مفادِ عامہ کی اپیلوں پر غور کرنے کے عمل نے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے عدلیہ کے اختیارات میں اضافہ کر دیا ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ میں ایک جج ہوتا۔ پھر مجھے انتخابات اور عوام کی حمایت کی فکر نہ ہوتی پھر بھی میرے پاس بہت سارا اختیار ہوتا!

کیا آپ جانتے تھے کہ مفادِ عامہ کے مقدمات اب دوسرے بہت سے ممالک میں بھی زیادہ سے زیادہ عام ہو جاتے ہیں؟ دنیا کی بہت سی عدالتیں، خاص طور سے جنوبی ایشیا اور افریقہ ہندوستانی عدلیہ کے بالمقابل عدالتی مستعدی پر عمل کر رہی ہیں۔ جنوبی افریقہ کے آئین میں شامل حقوق کے منشور میں مفادِ عامہ کی اپیل بھی شامل ہے۔ اس طرح جنوبی افریقہ میں شہریوں کا یہ بنیادی حق ہے کہ ان کے حقوق کی خلاف ورزی ہونے کی صورت میں، معاملہ کو آئینی عدالت کے روبرو پیش کیا جا سکتا ہے۔

کیا آپ کو یاد ہے کہ حقوق کے باب میں ہم نے استحصال کے خلاف حق کا ذکر کیا تھا؟ یہ حق جبریہ مزدوری، انسانوں کی تجارت اور خطرناک پیشوں میں بچوں کی ملازمت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن کے حقوق کی پامالی ہوئی ہے وہ کیسے عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں؟ مفادِ عامہ کی اپیلوں اور عدالتی مستعدی نے ایسی خلاف ورزیوں پر غور کرنے کا کام عدالتوں کے لیے ممکن بنا دیا

ہے۔اس طرح عدالتوں نے مقدمات کے ایک مکمل سلسلہ پرغور کیا جس کا تعلق پولیس کے ذریعہ قیدیوں کو اندھا بنا دینے ، پتھریلی کانوں میں کام کے غیر انسانی حالات، بچوں کے جنسی استحصال وغیرہ سے تھا۔اس رجحان نے غریبوں اور محروم طبقات کے لیے حقوق انسانی کو واقعی بامعنی بنا دیا ہے۔

اپنی معلومات چیک کیجیے

- عدالت نظرِ ثانی کے اختیارات کا استعمال کب کرتی ہے؟
- عدالتی نظر ثانی اور رِٹ رحکم ناموں کے درمیان کیا فرق ہے؟

عدلیہ اور پارلیمنٹ

حقوق کے معاملات میں نہایت مستعدانہ رُخ اختیار کرنے کے علاوہ عدلیہ اس ضمن میں بھی کافی چُست ہے کہ سیاسی عمل کے ذریعہ دستور کی تخریب کاری نہ ہو جائے۔اس طرح جو معاملات عدالتی نظر ثانی کے دائرۂ کار سے باہر رکھے گئے تھے جیسے صدر جمہوریہ یا گورنر کے اختیارات ان کو بھی عدالت کی نظر ثانی کے تحت لایا گیا۔

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں جن میں سپریم کورٹ نے مستعدی کا ثبوت دیا ہے اور اس کے لیے عاملہ کے اداروں کو احکامات دے کر انصاف قائم کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے ''حوالہ کیس'' میں بدعنوان سیاست دانوں اور عہدیداران کے خلاف تحقیقات شروع کرنے کی ہدایات دی گئیں۔

آئینِ ہند کی مثال ایک نازک اصول پر قائم ہے اور یہ اصول ہے: اختیارات کی محدود تقسیم اور چیک اینڈ بیلنس (نگرانی اور توازن کا اصول)۔اس کے معنی ہیں کہ حکومت کے ہر عضو کے کام کا دائرہ مخصوص اور واضح ہے۔ لہٰذا پارلیمنٹ کو قانون سازی اور آئین میں ترمیم کرنے کے قطعی اختیارات حاصل ہیں۔ان قوانین پر عمل کرنے کا مکمل اختیار عاملہ کو حاصل ہے جبکہ عدلیہ کو معاملات سلجھانے اور یہ طے کرنے کا اختیار ہے کہ قوانین آئین کی دفعات کے عین مطابق بنائے گئے ہیں۔اختیارات کی اس قدر واضح تقسیم کے باوجود پارلیمنٹ اور عدلیہ نیز عاملہ اور عدلیہ کے درمیان تنازعات ہندوستانی سیاست کا ایک مستقل عنوان بن چکے ہیں۔

پارلیمنٹ اور عدلیہ کے درمیان اختلافات کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں، جن کا تعلق حقِ جائیداد اور آئین میں ترمیم کرنے کے پارلیمنٹ کے حق سے تھا۔آیئے، مختصر طور پر اس بات کو پھر دوہرائیں:

جیسے ہی آئینِ ہند پر عمل شروع ہوا، اس کے فوراً بعد ہی پارلیمنٹ کے حقِ جائیداد کو محدود کرنے کے اختیار سے متعلق تنازعے پیدا ہو گئے۔ پارلیمنٹ چاہتی تھی کہ جائیداد رکھنے کے حق پر کچھ پابندیاں عائد کی جائیں تاکہ زمینی

اصلاحات کی جاسکیں۔اس کے بعد پارلیمنٹ نے آئین میں ترمیم کی کوشش کی۔لیکن عدالت کا کہنا تھا کہ ترمیم کے ذریعہ بھی بنیادی حقوق کو کم نہیں کیا جاسکتا۔

پارلیمنٹ اور عدلیہ کے درمیان مندرجہ ذیل مسائل تنازعات کا مرکز بنے رہے:

- ذاتی جائیداد کے حق کا دائرہ کیا ہے؟
- بنیادی حقوق کو کم کرنے، مختصر کرنے یا منسوخ کرنے کا پارلیمنٹ کا دائرہ اختیار کیا ہے؟
- آئین میں ترمیم کے پارلیمنٹ کا دائرہ اختیار کیا ہے؟
- کیا پارلیمنٹ ایسے قانون بنا سکتی ہے جو بنیادی حقوق کو کم کردیں اور ہدایتی اصولوں کو نافذ کردیں؟

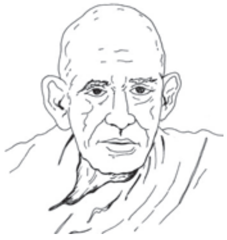

الادی کرشنا سوامی ایئر
(CAD, Vol. XI p. 837)

"عدلیہ کی آزادی کو برقرار رکھنے سے متعلق دورائے نہیں ہوسکتیں۔۔۔۔۔۔۔ایک اہم اصول زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے۔عدلیہ کی آزادی کے نظریہ کو تحکم کی سطح تک اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے تا کہ عدلیہ ایک قسم کی اعلیٰ ترین قانون ساز اعلیٰ ترین عاملہ کی طرح کام نہ کرنے لگے۔عدلیہ کا کام آئین کی تشریح کرنا اور بنیادی حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔"

1967 اور 1973 کے درمیان یہ مسئلہ کافی سنجیدہ ہوگیا۔زمینی اصلاحات کے قوانین کے علاوہ احتیاطی حراست کو روکنے کے قوانین، ملازمتوں میں ریزرویشن کے قوانین، عوامی مقاصد کے لئے ذاتی جائیداد حاصل کرنے کے اصول وقوانین اور اس طرح کی ذاتی جائیداد حاصل کرنے کے عوض ہرجانہ طے کرنے کے قوانین ۔۔۔ایسے کچھ تنازعات کی مثالیں ہیں جو مجلسِ قانون ساز اور عدلیہ کے درمیان پیدا ہوئیں۔

1973 میں سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ دیا جو اس کے بعد عدلیہ اور مجلسِ قانون ساز کے رشتوں کو باضابطہ بنانے میں اہمیت اختیار کرچکا ہے۔یہ کیشونند بھارتی کیس کے نام سے مشہور ہے۔اس معاملہ میں، عدالت نے فیصلہ دیا کہ آئین کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔خود پارلیمنٹ بھی اس بنیادی ڈھانچہ کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی۔عدالت نے دوباتیں مزید کہیں۔اول، حقِ جائیداد (متنازعہ معاملہ) بنیادی ڈھانچہ کا حصہ نہیں تھا لہٰذا اس کو مناسب طریقہ سے کم کیا جاسکتا ہے۔دوسری بات عدالت نے یہ حق اپنے لیے محفوظ رکھا کہ آئین کے بنیادی ڈھانچہ سے متعلق مختلف معاملات وہ خود طے کرے گی۔یہ اس بات کی بہترین مثال ہے کہ عدلیہ آئین کی تشریح کرتی ہے۔

اس فیصلہ نے مجلسِ قانون ساز اور عدلیہ کے درمیان تنازعہ کی نوعیت کو بدل دیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے مطالعہ کر چکے ہیں، 1979 میں حقِ جائیداد کو بنیادی حقوق کی فہرست سے خارج کر دیا گیا اور اسی عمل نے حکومت کے دونوں اعضا یعنی مجلس قانون ساز اور عدلیہ کے درمیان رشتوں کی نوعیت ہی بدل دی۔

لیکن اب بھی دونوں کے درمیان بعض معاملات اختلافات کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ کیا مجلسِ قانون ساز کی کارکردگی میں، عدلیہ دخل دے سکتی ہے یا اس کو باضابطہ بنا سکتی ہے؟ پارلیمانی نظام میں مجلسِ قانون ساز خود پر حکومت کرنے کا اختیار رکھتی ہے اور اپنے ممبران کے برتاؤ کو باضابطہ بناتی ہے۔ چنانچہ مجلسِ قانون ساز اُس شخص کو سزا دے سکتی ہے جس کو مجلسِ قانون کی مراعات کی خلاف ورزی کا مرتکب پایا گیا ہو، جس شخص نے مجلسِ قانون ساز کے ڈسپلن کو توڑا ہو کیا وہ عدالت سے تحفظ حاصل کر سکتا ہے؟ یہ مسائل ابھی تک حل نہیں ہو سکے ہیں اور یہی دونوں حکومت کے دونوں اعضا کے درمیان اختلافات کی وجہ بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آئین کے مطابق ججوں کے برتاؤ پر پارلیمنٹ میں بحث نہیں ہو سکتی۔ کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں جب پارلیمنٹ اور مجلسِ قانون ساز نے عدلیہ کی کارکردگی پر تہمتیں لگائی ہیں۔ اسی طرح عدلیہ نے بھی مجلسِ قانون ساز کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور قانون سازی سے متعلق ہدایات جاری کی ہیں۔ مجالس قانون ساز اِس عمل کو پارلیمانی اقتدارِ اعلیٰ کے اصول کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں۔

یہ مسائل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حکومت کے کسی بھی دو اعضا کے درمیان توازن قائم کرنا کس قدر مشکل ہے اور جمہوریت میں دوسروں کے اختیار و اقتدار کا احترام کرنا حکومت کے ہر عضو کے لیے کتنا اہم ہے۔

عدالت ہم کو وہ سب کچھ نہیں بتا سکتی کہ آئین کا وہ بنیادی ڈھانچہ کیا ہے اور اس کے کون کون سے پہلو ہیں؟

اپنی معلومات چیک کیجیے

عدلیہ اور پارلیمنٹ کے مابین اختلافات کے اہم امور ہیں:

- ججوں کا تقرر
- ججوں کی تنخواہ اور مراعات
- آئین میں ترمیم کی پارلیمانی اختیار کی حد
- عدلیہ کی کارکردگی میں پارلیمنٹ کی دخل اندازی۔

© NCERT not to be republished

اختتام

اس باب میں ہم نے جمہوری ڈھانچہ میں عدلیہ کے کردار کا مطالعہ کیا۔ ایسی کئی الجھنوں کے باوجود جو وقتاً فوقتاً عدلیہ اور مجلسِ قانون ساز و عاملہ کے مابین پیدا ہوتی رہتی ہیں عدلیہ کے وقار میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ عدلیہ سے اور بہت سی توقعات ہیں۔ عام شہریوں کو بھی حیرانی ہے کہ لوگ کتنی آسانی سے بری ہو جاتے ہیں اور گواہ کس طرح اپنے بیان بدل دیتے ہیں تاکہ امیر اور طاقت ور لوگوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ یہ کچھ ایسے معاملات ہیں جن سے عدلیہ کا تعلق ہے۔

اس باب میں آپ نے دیکھا کہ ہندوستان میں عدلیہ ایک طاقت ور ادارہ ہے۔ اس طاقت نے عدالت کا احترام پیدا کیا ہے اور اس سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں : ہندوستان میں عدلیہ اپنی آزادی وخودمختاری کے لیے پہچانی جاتی ہے۔ مختلف فیصلوں کے ذریعہ عدلیہ نے آئین کی نئی تشریحات کی ہیں اور شہریوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس باب میں دیکھا۔ جمہوریت عدلیہ اور پارلیمنٹ کے درمیان نازک توازن ہے اور دونوں ادارے آئین کے ذریعہ طے کردہ حدود کے اندر ہی کام کرتے ہیں۔

ایک کارٹون پڑھئے

آخر کار مجھے باعزت بری کر دیا گیا ہے! یہ سب ایک بھیانک خواب تھا!
میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کبھی بدعنوانی میں ملوث نہیں ہوں گا۔

R K Laxman in The Times of India.

عوامی زندگی میں بدعنوانی پر قابو رکھنے کے لیے عدلیہ کس طرح فعال کردار ادا کرتی ہے؟

© NCERT not to be republished

सुप्रीम कोर्ट को सांसदों के निष्क
मामले में दखल का हक नहीं
NATIONAL NETWORK
RAJYA SABHA Election of members from states they do not belong to challenged
SC to hear petition by month-end
Cash-for-query: Centre wants cases of MP
Judiciary a partner in development: Kalam
स्कूली शिक्षकों की उपेक्षा से हाई कोर्ट नाराज
नियुक्तियों के मामले में न्यायपालिका का कोई दखल नहीं: हाई कोर्ट
Supreme Court indicts Governor
Holds dissolution of Bihar Assembly illegal; says Cabinet should have verified the facts

مشق

1۔ وہ مختلف طریقے کیا ہیں جن کے ذریعہ عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنایا گیا ہے؟ غیر موزوں جواب کو الگ دیجیے:

(a) سپریم کورٹ کے دوسرے ججوں کے انتخاب میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا مشورہ لیا جاتا ہے۔

(b) عام طور پر ججوں کو ریٹائرمنٹ کی عمر سے پہلے الگ نہیں کیا جاتا۔

(c) ہائی کورٹ کے ایک جج کو دوسرے ہائی کورٹ میں ٹرانسفر نہیں کیا جاسکتا۔

(d) ججوں کے تقرر میں پارلیمنٹ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

2۔ کیا عدلیہ کی آزادی کا مطلب ہے کہ عدلیہ کسی کے تئیں جواب دہ نہیں ہے؟ اپنا جواب 100 الفاظ کے اندر اندر دیجیے:

3۔ آئین میں مختلف دفعات کون سی ہیں جن کے ذریعہ عدلیہ کی آزادی کو قائم کیا گیا ہے؟

4۔ ذیل میں دی گئی اخباری رپورٹ پڑھیے اور مندرجہ ذیل پہلوؤں کی شناخت کیجیے:۔

✓ یہ معاملہ کس کے متعلق ہے؟

✓ اس معاملہ میں کس کو فائدہ حاصل ہوا؟

✓ اس معاملہ میں اپیل کنندہ کون ہے؟

✓ تصور کیجیے کہ کمپنی کے ذریعہ کون سی دلیلیں دی گئی ہوں گی؟

✓ کسانوں نے کون سی دلیلیں پیش کی ہوں گی؟

سپریم کورٹ نے آر۔ای۔ایل۔کو حکم دیا کہ کسانوں کو 300 کروڑ روپیہ ادا کرے

ہمارے کورپوریٹ بیورو۔ 24 مارچ 2005

ممبئی: سپریم کورٹ نے ریلائنس انرجی کو 300 کروڑ روپیہ کسانوں کو ادا کرنے کا حکم دیا جو ممبئی سے باہر دہانو علاقے میں چیکو پھل اگاتے تھے۔ یہ فیصلہ اس اپیل کے بعد آیا جس میں چیکو اگانے والے کسانوں نے ریلائنس تھرمل پاور پلانٹ کی آلودگی کے خلاف اپیل دائر کی تھی۔

© NCERT not to be republished

دہانو، جو ممبئی سے 150 کلومیٹر فاصلہ پر ہے ایک خود کفیل زراعتی اور باغبانی علاقہ ہے جو ایک دہائی سے بھی زیادہ مدت سے مچھلی پالن اور جنگلات کے لئے جانا جاتا ہے لیکن 1989 میں یہ اس وقت تباہ ہو گیا جب اس علاقہ میں ایک تھرمل پاور پلانٹ نے کام کرنا شروع کیا۔ اگلے سال اس علاقہ کی فصل تباہ ہو گئی۔ کبھی جو مہاراشٹر کا پھلوں کا علاقہ مشہور تھا اس کی 70 فیصد کاشت ختم ہو چکی ہے۔ مچھلی کی پرورش گاہیں بند ہو گئی ہیں اور گھنے جنگلات کم ہو گئے ہیں۔ کسان اور ماہر ماحولیات کہتے ہیں کہ پاور پلانٹ سے نکلنے اور اڑنے والی راکھ نے زمین کے پانی میں داخل ہو کر پورے ماحولیاتی نظام کو آلودہ بنا دیا ہے۔ دہانو تعلقہ کے ماحولیاتی تحفظ ادارہ نے پلانٹ کو حکم دیا کہ اس میں ماحولیات کو آلودگی سے بچانے کا انتظام کیا جائے اور سلفر کے خارج ہونے کو کم کیا جائے۔ حتیٰ کہ سپریم کورٹ کے آرڈر کے باوجود کہ آلودگی کو قابو میں رکھنے کا انتظام کیا جائے، 2002 تک ایسا کوئی پلانٹ قائم نہیں کیا گیا۔ 2003 میں، ریلائنس نے تھرمل اسٹیشن کو حاصل کر لیا اور ایک منصوبہ کے مطابق 2004 میں ایسا عمل شروع کرنے کی تجویز رکھی۔ چونکہ ابھی تک آلودگی کو کنٹرول کرنے کا پلانٹ نصب نہیں کیا گیا ہے، دہانو تعلقہ کے ماحولیاتی تحفظ کے محکمہ نے ریلائنس کو 300 کروڑ روپیہ کی بنک ضمانت جمع کرنے کا حکم دیا۔

5 مندرجہ ذیل، اخباری رپورٹ پڑھیے اور

- ✓ مختلف مرحلوں/سطحوں پر حکومتوں کی شناخت کیجیے
- ✓ سپریم کورٹ کے رول کی شناخت کیجیے
- ✓ اس میں عدلیہ اور عاملہ کے کام کی کہاں تک جھلک دکھائی دیتی ہے؟
- ✓ اس معاملہ میں ملوث قانون کی تشریح عمل درآمد اور قانون سازی سے متعلق معاملات اور مسائل کی شناخت کیجیے۔

© NCERT not to be republished

مرکز، دہلی سی این جی کے معاملہ پر دہلی سمجھوتہ کرتی ہے

ہمارا اسٹاف رپورٹر، 'دی ہندو' 23 ستمبر 2001

آج مرکز اور دہلی حکومت نے باہم اتفاق کیا کہ اسی ہفتہ سپریم کورٹ سے رجوع کیا جائے گا۔۔۔۔ غیر سی۔این۔جی۔گیس سے چلنے والی تمام گاڑیوں کو دہلی کی سڑکوں سے مرحلہ وار ختم کیا جائے گا۔انہوں نے شہر کے لیے دوہری ایندھن حکمت عملی اختیار کرنے کا بھی فیصلہ لیا تاکہ پورے شہر کے ٹرانسپورٹ نظام کو ایک ہی قسم کے ایندھن پر انحصار نہ کرنا پڑے جو خطرات سے بھرپور تھا اور ناگہانی حادثات تباہی لاسکتے ہیں۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ پرائیویٹ گاڑیوں کے مالکوں کو سی۔این۔جی۔گیس استعمال کرنے کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔حکومت اور پریس دونوں زور دیں گے کہ 0.05 فیصد سے کم سلفر ڈیزل بسوں میں استعمال کیا جائے۔ مزید یہ کہ عدالت میں یہ دلیل پیش کی جائے گی کہ وہ تمام گاڑیاں جو یورو II کے معیار پر پوری اترتی ہیں ان کو شہر میں چلتے رہنے کی اجازت دی جائے۔ حالانکہ دونوں مرکز اور دہلی حکومت علاحدہ علاحدہ اپنی درخواستیں پیش کریں گی لیکن کچھ عام نکات پر باہمی اتفاق ہوگا۔سی۔این۔جی۔گیس سے متعلق معاملات میں دہلی حکومت کے نقطۂ نظر کو مرکزی حکومت کی حمایت حاصل ہوگی۔ دہلی کی وزیر اعلیٰ مسز شیلا دیکشت اور مرکزی وزیر برائے پٹرولیم و قدرتی گیس۔رام نائک کے درمیان میٹنگ میں یہ فیصلہ لیا گیا۔

مسز شیلا دیکشت نے کہا کہ مرکزی حکومت عدالت سے درخواست کرے گی۔ ڈاکٹر شالکر آر۔اے۔کی صدارت میں اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کے قیام کے مدنظر پورے ملک کے لیے ''آٹو ایندھن حکمت عملی'' تجویز کرے گی۔ یہ مناسب ہوتا کہ آخری تاریخ کو مزید بڑھایا جائے کیونکہ تقریباً دس ہزار پرانی بسوں پر مشتمل بیڑے کو اتنے کم وقت میں سی۔این۔جی میں تبدیل کرپانا ممکن نہیں۔ایسی امید کی جاتی ہے۔شالکر کمیٹی چھ ماہ کے اندر اپنی رپورٹ پیش کردے گی۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ عدالتی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔اس مسئلہ پر باہمی تعاون کے نظریہ کا حوالہ دیتے ہوئے مسز شیلا دیکشت نے کہا سی۔این۔جی۔میں تبدیل کی جانے والی بسوں کی تفصیلات تیار کی جائیں گی، سی این جی ڈپو کے باہر لمبی قطاروں کو ختم کرنے، دہلی میں سی این جی کی ضرورتوں اور عدالتی ہدایت پر

© NCERT not to be republished

عمل کے لیے دوسرے طریقوں پر بھی سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔

سپریم کورٹ نے صرف بسوں کے لیے سی این جی کے اصول میں رعایت کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے ذریعہ ٹیکسی اور آٹو رکشہ پر اس اصول کے عمل درآمد کرنے کی بات پر زور نہیں دیا گیا ہے۔ مسٹر نائک نے کہا کہ مرکز اس بات کی اجازت دے گا کہ دہلی میں بسوں کو چلانے کے لیے کم سلفر ڈیزل استعمال کیا جائے کیوں کہ پورے نظام کو سی۔ این۔ جی۔ پر منحصر کرنا سخت مشکلات پیدا کرتا ہے۔ سی۔ این۔ جی کے لیے مرکز کا انحصار پائپ لائن سپلائی پر ہے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ پورے ٹرانسپورٹ نظام کو ٹھپ کر سکتی ہے۔

6۔ ذیل میں ایکواڈور (ملک) کے متعلق ایک بیان درج ہے وہاں کے اور ہندوستان کے عدالتی نظام میں فرق اور مماثلتیں تلاش کیجیے:

''اگر عام قانون کا ایک مجموعہ یا عدالتی روایات کا مجموعہ موجود ہوتا جو کسی جرنلسٹ کے حقوق کی وضاحت کرتا تو یہ بہت مفید ہوتا۔ بدقسمتی سے ایکواڈور کی عدالتیں اس طرح کام نہیں کرتیں۔ پہلے کی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کا جج احترام نہیں کرتے اور نہ انہیں ایسا کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ کے برخلاف ایکواڈور (یا جنوبی امریکہ میں کہیں بھی) میں ایک اپیل جج کو ایک تحریری فیصلہ کی ضرورت نہیں ہوتی جس کی بنا پر وہ اپنا فیصلہ سُنا سکے۔ کوئی جج آج ایک فیصلہ کر سکتا ہے اور اسی معاملہ میں بغیر یہ جواز پیش کیے کہ اب کیوں ہوا دوسرا طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔''

7۔ درج ذیل بیانات پڑھیے۔ سپریم کورٹ کون سے مختلف دائرۂ اختیار میں کام کرتی ہے اس سے ملائیے۔ ابتدائی، سماعتی اور مشاورتی۔

- ✓ حکومت جاننا چاہتی تھی کہ کیا وہ پاکستانی مقبوضہ حصوں جموں کشمیر کے باشندوں کو شہریت دے سکتی ہے۔
- ✓ دریائے کاویر کے پانی سے متعلق تنازعہ کو حل کرنے کے لیے حکومت تمل ناڈو عدالت سے رجوع کرنا چاہتی ہے۔

© NCERT not to be republished

✓ کورٹ نے عوام کی اس درخواست کو نامنظور کر دیا جن کو ڈیم کے علاقہ سے ہٹانے کا حکم ملا تھا۔

8۔ مفاد عامہ کے کس طرح غریبوں کی مدد کر سکتے ہیں؟

9۔ آپ کے خیال میں کیا بنیادی حقوق کے تحفظ کا مسئلہ عدالتی انتہا پسندی اور عاملہ کے درمیان تنازع کا سبب بن سکتا ہے؟ کیوں؟

10۔ عدالتی انتہا پسندی کس طرح بنیادی حقوق سے منسلک ہے؟ کیا اس نے موجودہ بنیادی حقوق کے دائرہ کو بڑھانے میں مدد دی ہے؟

© NCERT not to be republished